تبلیغ ودعوت میں موقع ومخاطب کی رعایت: قرآن وسنت کی روشنی میں ایک تحقیقی جائزہ

Relaxation to listener and situations in practicing the preaching: A research study in light of Quran and Sunnah

نثار محمد[i] سلیم الرحمٰن[ii]

Abstract

Da'wah or preaching is an important and effective means for the development and propagation of Islam. Through da'wah, the believers become steadfast on their religion, the non-believers enter into Islam while those sincerely attached to it reach higher spiritual and religious ranks.

The responsibility of da'wa was first of all undertaken by the Prophets May peace and blessings be upon them. They were the ones selected for this sublime duty by sending them as messengers to human beings. After the closure of the gate of prophet-hood, this responsibility was performed by their true successors who performed this obligation by becoming the personification of knowledge and practice and an embodiment of sincerity and truthfulness.

The responsibility of da'wah has been made an obligation upon all the Muslim in general and a subset of them in particular. Similarly, it has been made a duty upon each individual and class of Muslims according to their status. The leaders, the scholars (ulama') and the general masses are all answerable for this assignment in line with their domain of influence and authority. Consequently, it demands a dynamic caution, balance and seriousness all the time. It has its own limits and boundaries, features and characteristics as well as instructions pertaining to knowledge and practice. Similarly, the addressee and situational aspects should also be taken into consideration. Additionally, if the ideological, intellectual and knowledge level of the addressee as well as the proper time and occasion for da'wah are taken into account, it will enhance its fruitful results. On the contrary, its outcome may not be very encouraging, and even negative at times, if these factors are ignored. Therefore, this article discusses those aspects of preaching which are related to the situation of

[i] پروفیسر،ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک تھیالوجی،اسلامیہ کالج پشاور

[ii] ایسوسیٹ پروفیسر،ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک تھیالوجی،اسلامیہ کالج پشاور

addressee and the occasion of da'wah that ensure the performance of this responsibility appropriately.

***Key Words**: Preaching, Obligation, Responsibility*

تبلیغ ودعوت دین کی بقاء، اشاعت اور ترقی کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ اس کے ذریعہ مسلمان اپنے دین پر مضبوط ہوتے ہیں۔ اہل کفر اسلام میں داخل ہوتے ہیں اور اخلاص وکردار کے ساتھ اس سے وابستہ حضرات بلند دینی مدارج پر پہنچ جاتے ہیں۔ اس کام کا بیڑہ سب سے پہلے حضرات انبیاء کرام نے اٹھایا جنہیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے درمیان اسی منصب کے لئے منتخب فرمایا اور انہیں ان کے پاس اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا، ان کے بعد اس ذمہ داری کو ان کے سچے جانشینوں نے نبھایا۔ جنہوں نے علم وعمل کا پیکر اور صدق واخلاص کا نمونہ بن کر اس حق کو ادا کر کے دکھایا۔ ایمان کے بعد اگر کوئی عمل سب سے افضل ہو سکتا ہے تو وہ تبلیغ ودعوت ہے۔ اس لیے کہ اس کی بدولت لوگوں کو حق کی طرف رہنمائی ملتی ہے اور سچائی کا راستہ روشن ہوتا ہے۔ انسانوں میں نیکیوں سے محبت اور برائیوں سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اس کی بدولت انسانیت کفر وبے عملی کی اندھیروں سے نکل کر ایمان وعمل کے اجالے میں آجاتی ہے اور زندگی کے ہر مرحلہ پر حق وباطل اور حلال وحرام کا راستہ واضح ہوتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دعوت دین کی اس بات کو سب سے بھلی بات اور سب سے اونچا کام قرار دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ومن احسن قولاً من دعا الی اللہ وعمل صالحاً وقال اننی من المسلمین[1]"

"اس شخص سے زیادہ بھلی بات اور کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیں اور نیکی پر عمل پیرا رہے اور اللہ تعالیٰ کو خود سپردگی کا اعلان کرے۔"

دعوت الی اللہ کے نتیجے میں معروفات پھیلتی ہیں اور منکرات مٹتی ہیں۔ معروفات نیکیوں کو کہا جاتا ہے۔ قرآن نیکی کے لئے معروف کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ جو بھلائی اور نیکی کو کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں بے شمار مواقع پر اسی معنی میں اس لفظ کا استعمال ہوا ہے اور در حقیقت یہ قرآن کی بڑی بلیغ اور نادر تعبیر ہے۔ اس لئے کہ معروف لغت میں ایسی بات کو کہتے ہیں جو مشہور ہو اور جس کا عام چلن ہو قرآن مجید بھلائی کے لیے معروف کا استعمال کر کے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہے کہ نیکیاں معاشرہ میں اس قدر عام ہو جائیں کہ وہ معاشرہ کا چلن بن کر رہ جائیں[2]۔

اسلام ایسا معاشرہ چاہتا ہے جس میں نیکیاں جانی پہچانی ہونی چاہیئے۔ جبکہ برائی اور بدی کے لئے "منکر" اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ عربی زبان میں اس کا مادہ نکر ہے ہر وہ بات جس کو شریعت نے قبیح سمجھا ہو یا حرام ومکروہ قرار دیا ہو وہ منکر ہے[3]۔ اسلام چاہتا ہے کہ برائیاں معاشرہ میں ناآشنا نظر آنی چاہیئے۔

معروف ومنکر کو جاننے کا اصل ذریعہ قرآن وحدیث ہے لیکن علاوہ اس کے صالح لوگ جو دین پر عمل کرنے کی وجہ سے ایک ذوق سلیم کے حامل ہو چکے ہوں وہ جس بات کو برا سمجھے وہ بھی من جملہ منکرات میں سے ہے۔ امام طبری کہتے ہیں:

"ما انکرہ اللہ ورأوہ قبیحا فعلہ[4] "

"ہر وہ فعل و عمل جس اللہ تعالیٰ نے منکر قرار دیا ہو اور صالح مسلمان اس کے کرنے کو قبیح اور ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہو وہ منکر ہے۔"

اس اعتبار سے امر بالمعروف اور انہی عن المنکر شریعت کا اہم ترین فریضہ ہے۔اس لئے ہر پیغمبر نے اپنے اپنے زمانہ اور دائرہ نبوت میں یہ فریضہ سرانجام دیا ہے اور خاتم الانبیاء ﷺ عالمگیر اور آفاقی دین لیکر آئے۔آپ کا لایا ہوا دین جغرافیائی حد بندیوں، قومی، نسلی و وطنی قیودات سے بالاتر بین الاقوامی دین بن کر آیا۔اور آپ کی امت عالمی امت قرار دی گئی۔اس لیے قرآن حکیم نے اس فریضہ کو امت محمدیہ کی بنیادی صفت قرار دیا:

"كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ[5] "

"تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہو کیونکہ تم نیک کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو۔"

اس آیت اور اس میں مذکورہ خصوصیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری امت پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ عائد کیا گیا ہے اور دوسری امتوں پر اس کی فضیلت کا سبب ہی اس خاص فریضہ اور کام کو بتلایا ہے۔چنانچہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر امت مسلمہ کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔آنحضرت ﷺ کے نقش قدم پر امت محمدیہ تبلیغ ودعوت کی انجام دہی کی اجتماعی ذمہ دار ہے اور اپنی اصلاح کے ساتھ دوسروں کی اصلاح کی ذمہ داری ہر ہر امتی کی ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے انسانی سعادت کا دارومدار دو چیزوں پر ہے۔صلاح اور اصلاح یعنی خود صالح بننا اور پھر دوسروں کو صالح بنانا یا خود کمال پیدا کر کے دوسروں کو باکمال بنادینا جس کا حاصل یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں محض ذاتی نفع مطلوب نہیں بلکہ دوسروں کو نفع پہنچانا ضروری قرار دیا گیا ہے[6]۔

جس طرح ہر مسلمان پر نماز، روزہ فرض عین ہے اسی طرح یہ بھی فرض عین ہے کہ اگر وہ دوسروں کو کسی برائی میں مبتلا دیکھے تو اپنی استطاعت کے مطابق اس کو رد کرے اور منع کرے[7]۔

ارشاد نبوی ہے:

"من رأى منكم منكراً فليغره بيده فان لم يستطيع فبلسانه وان لم يستطع فبقلبه وذالک اضعف الايمان[8] "

"تم میں سے جو شخص کوئی گناہ ہوتا ہوا دیکھے تو اس کو چاہیے کہ اپنے ہاتھ اور قوت سے روک دے اگر یہ نہ کر سکے تو زبان سے روکے، یہ بھی نہ کر سکے تو کم از کم دل میں اس فعل کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا ادنی درجہ ہے۔"

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایسا اہم فریضہ ہے جس کا قرآن حکیم میں کم از کم دس مواقع پر خاص انہی الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔لیکن اس کے علاوہ یہی مقصد ظاہر کرنے والی دوسری تعبیرات، تبلیغ، انداز، تبشیر، دعوت، شہادت حق کو شامل کیا جائے تو اس کی تعداد بہت بڑھ جاتی ہے[9]۔

قرآن وحدیث میں اس فریضہ کو جس اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا۔اس کی وجہ سے بعض حضرات نے تو اسے فرض عین قرار دیا لیکن جمہور کے نزدیک یہ فرض کفایہ ہے۔علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

"ان العلماء اتفقوا على أن الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر من فرض الكفاية ولم يخالف ذالک الا النزر[10]"

"اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ میں سے ہے۔چند لوگوں کے سوا سبیوں کا اس پر اتفاق ہے۔"

امام غزالی نے بھی تفصیل سے بحث کر کے بتایا ہے کہ امر بالمعروف فرض کفایہ ہے نہ کہ فرض عین[11]۔

دعوت و تبلیغ اور دین کی بات دوسروں تک پہنچانے کے دو طریقے یا قسمیں ہیں۔

انفرادی دعوت و تبلیغ

انفرادی دعوت و تبلیغ کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے شخص کو کسی گناہ یا برائی میں مبتلا پاتا ہے یا کسی فرض واجب میں کوتاہی کا مرتکب پاتا ہے۔ایسی حالت میں انفرادی طور پر اس شخص کو گناہ کے ترک یا فرض واجب کی طرف متوجہ کرنا،تاکہ برائی کو چھوڑ دیں اور نیکی پر عمل کرے انفرادی دعوت و تبلیغ کہلاتی ہے۔

اجتماعی دعوت و تبلیغ

اجتماعی دعوت و تبلیغ یہ ہے کہ کوئی شخص مجمع کے سامنے دین کی بات کہے،ان کے سامنے تقریر کریں یا ان کو درس دے یا کسی فوری سبب کے بغیر دوسروں کے پاس جا جا کر دین کی بات سنائے اور دین پھیلائے۔دعوت و تبلیغ کے ان دو طریقوں کے احکام اور دونوں کے آداب الگ الگ ہیں[12]۔

اجتماعی تبلیغ فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے لہٰذا ہر ہر مسلمان پر فرض نہیں ہے کہ دوسروں کے پاس جا کر وعظ کریں یا دوسروں کے گھر پر جا کر تبلیغ کریں کیونکہ یہ فرض کفایہ ہے۔اور فرض کفایہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگوں کے کرنے سے یہ فریضہ باقی لوگوں سے ساقط ہو جاتا ہے۔تاہم اگر کوئی بھی شخص اسے ادا نہ کرے تو سب گنہگار ہوں گے۔

انفرادی دعوت و تبلیغ فرض عین ہے۔اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو فرض چھوڑتے ہوئے یا گناہ کرتے ہوئے دیکھے تو اس وقت اپنی استطاعت کی حد تک اس برائی کو روکنا فرض کفایہ نہیں بلکہ فرض عین ے جس کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کے آسرے پر اس کام کو چھوڑنا جائز نہیں بلکہ ہر ہر مسلمان کے ذمہ بقدر استطاعت فرض عین ہے۔لہذا انفرادی دعوت و تبلیغ،اجتماعی دعوت و تبلیغ سے حکم میں الگ ہے۔اجتماعی دعوت و تبلیغ فرض کفایہ اور انفرادی تبلیغ فرض عین ہے[13]۔

تنہا اپنے آپ کو سدھار لینا کافی نہیں بلکہ دوسروں کی اصلاح کی فکر بھی ضروری ہے جس طرح ہر مسلمان پر پانچ وقت کی نماز فرض ہے،رمضان المبارک کے روزے فرض ہے،صاحب نصاب پر زکوۃ اور صاحب استطاعت پر حج فرض عین ہے اسی طرح اپنی استطاعت کے دائرہ میں امر بالمعروف اور انہی عن المنکر فرض عین ہے۔اگر کوئی

شخص فرائض یاواجبات کو چھوڑ رہا ہو یا حرام اور ناجائز کام کا ارتکاب کر رہا ہو تو وہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض عین ہے۔اس لئے کہ فرائض وواجبات کو چھوڑنا یا حرام اور ناجائز کا ارتکاب کرنا قطعاً حرام ہے[14]۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لیے ایک خاص جماعت کا وجود ضروری قرار دیا گیا ہے:

"كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ[15]"

"تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کاموں کے کرنے کا کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں۔"

امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے لہذا مطلب یہ نکلا کہ اس جماعت کا وجود ضروری ہے اگر کوئی حکومت یہ فریضہ انجام نہ دیں تو تمام مسلمانوں پر فرض ہو گا کہ وہ ایسی جماعت قائم کریں[16]۔دعوت الی الخیر کے دو درجے ہیں۔ پہلا یہ کہ غیر مسلموں کو خیر یعنی اسلام وایمان کی طرف دعوت دینا مسلمانوں کا ہر فرد عموماًاور یہ "جماعت" خصوصاً دنیا کی تمام قوموں کو خیر یعنی اسلام کی دعوت دے۔زبان سے بھی اور عمل سے بھی۔

دعوت الی الخیر کا دوسرا درجہ خود مسلمانوں کو دعوت خیر دینا ہے کہ تمام مسلمان علی العموم اور جماعت خاصہ علی الخصوص مسلمانوں کے درمیانہ تبلیغ ودعوت کا فریضہ سرانجام دیں[17]۔البتہ تمام احکام شرعیہ کی طرح "امر بالمعروف ونہی عن المنکر" کے فریضہ میں بھی ہر شخص کی قدرت اور استطاعت پر احکام دائر ہوں گے۔جس کو جتنی قدرت اور جس جس حد تک قدرت حاصل ہو،اتنا ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اس پر عائد ہو گا[18]۔

اس طرح یہ ذمہ داری ہر شخص اور ہر طبقہ پر اس کی حیثیت کے مطابق لازم ہو گی۔امراء، علماء اور عامہ الناس اپنے اپنے دائرہ اختیار میں ذمہ دار ہوں گے اور ارباب حکومت مسلمانوں کی اجتماعی قوت کے امین ہیں، شریعت کی روشنی میں اوامر ونواہی کی بجاآوری کے لئے صالح نظام کا قیام،اجتماعی نظم کے لیے ممکنہ وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے ذھن سازی، قانون سازی اور اس کے عملی تنفیذ کے لئے سازگار ماحول کی فراہمی، عدلیہ، مقننہ اور انتظامیہ کا مربوط تنفیذی عمل، ترغیب وترہیب کے لئے ذرائع نشر واشاعت کا جائز استعمال اور ناجائز استعمال پر قدغن، حکومت کی ذمہ داری ہو گی،ارباب علم کا امر بالمعروف ونہی عن المنکر یہ ہے کہ دینی تعلیمات وہدایات کی روشنی میں دعوت وارشاد کی ذمہ داری نبھائیں گے اور عام مسلمان اپنی حیثیت اور طاقت کے مطابق ذمہ دار ہو گا۔یعنی مسجد کا امام محلہ، خاندان کا سربراہ خاندان کا، قوم کا لیڈر قوم کا ذمہ دار ہو گا سیدنا عبداللہ بن عمرؓ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے:

"قال رسول الا كلكم راع وكللكم مسؤول عن رعيته فالامام الذى على الناس راع وهو مسؤل عن رعيته والرجل راع على اهل بيته وهو مسؤول عن رعيته والمرأة على بيت زوجها وولده وهى مسؤولة عنهم وعبدالرجل راعٍ على مال سيده وهو مسؤول عنه الا فكلكم راع وكلكم مسؤول عن رعيته[19]."

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جان لو کہ تم سب نگہبان (ذمہ دار) ہو،اور تم سے اپنی اپنی رعیت (ماتحت افراد) کے بارے میں پوچھا جائے گا۔لوگوں کا امام (حاکم اعلیٰ) نگران ہے اور اس سے اپنی رعیت (عوام) کے بارے میں

پوچھا جائے گا۔ایک عام آدمی اپنے گھر والوں کا نگران ہے اور اس سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا اور ایک عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی نگران ہے اور اس سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا اور ایک غلام اپنے آقاء کے مال کا نگران ہے اس سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ جان لو کہ تم سب نگران ہو اور تم سب سے اپنی اپنی رعیت (ذمہ داری بشرط استطاعت دائرہ اثر) کے بارے میں پوچھا جائے گا۔"

اللہ کے نبی نے ان سب طبقات کے ذمہ کی طرف یوں متوجہ کیا:

"من رأی منکم منکراً فلیغرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان[20]"

اس حدیث پاک میں امت کے تمام طبقات اپنی حیثیت کے مطابق داخل ہو کر ذمہ دار قرار پاتے ہیں۔اس لحاظ سے "تبلیغ ودعوت" ہمہ وقت، ہمہ جہت، مسلسل، حساس، محتاط، اور سنجیدگی کا متقاضی فریضہ ہے۔ جس کا اصل مقصد اصلاح امت، کردار سازی اور انسان سازی ہے۔ اس لیے اس میں جہاں اور بہت اداب کا لحاظ اور قواعد وضوابط کی پابندی، اسالیب ودعوت کا استعمال، داعیانہ اوصاف کا حصول، دعوت کے علمی و عملی تقاضے اور دلائل وغیرہ درکار ہیں۔ وہاں موقع و محل کا ادراک، مخاطب کی فکری و عملی پس منظر کی پہچان، مزاج وذہنیت کا لحاظ اور موقع دعوت کی مناسبت کی رعایت، ایک اہم پہلو ہیں۔ ان امور کی رعایت رکھنے سے خاطر خواہ نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ اور لحاظ نہ رکھنے سے بسااوقات نتائج الٹے ہو جاتے ہیں اور بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے۔

موقع و محل کی رعایت

چنانچہ اصلاح و تبلیغ میں ہر جگہ موقع و محل اور مخاطب کا لحاظ ضروری ہوتا ہے اور اس کے مناسب حال دعوت کا انداز اختیار کرنا چاہیے۔ نہ ہر جگہ سختی مناسب ہے نہ ہر جگہ نرمی، بلکہ ہر ایک کا ایک موقع اور ایک حد ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا انداز دعوت اور اسلوبِ تبلیغ، قرآن حکیم نے نقل کیا ہے۔ بت پرستی کے معاملے میں آپ نے سخت الفاظ اور اسلوب استعمال کیا کیونکہ اس کی گمراہی مشاہدہ میں آنے والی چیز ہے اور نجوم پرستی کے معاملہ میں ایسے سخت الفاظ اور جملے استعمال نہیں فرمائے بلکہ ایک خاص تدبیر سے معاملہ کی حقیقت کو قوم کے ذہن نشین فرمایا۔ کیونکہ ستاروں اور سیاروں کا بے بس اور بے اختیار ہونا اتنا واضح اور کھلا ہوا نہیں تھا جتنا خود تراشیدہ بتوں کا[21]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عامۃ الناس اگر کسی ایسی غلطی میں مبتلا ہو جس کا غلطی اور گمراہی ہونا عام نظروں میں واضح نہ ہو۔ تو داعی اور تبلیغ کو سختی کے بجائے ان کے شبہات کے ازالہ کو دور کرنے کی کوئی تدبیر اختیار کرنا چاہیے اور ایسا انداز اختیار نہ کرنا چاہیے کہ اس وقت امر بالمعروف خود منکر بن کر رہ جائے۔

امام ابن تیمیہؒ نے اس معاملہ کی صحیح عکاسی کے لیے ایک محاورہ نقل کیا ہے:

"لیکن امرک بالمعروف ونھیک عن المنکر غیر منکر[22]"

"تمہارا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس انداز سے نہ ہو کہ خود "منکر" بن کر رہ جائے۔"

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

"امر بالمعروف کے وجوب کی دو شرطیں ہیں۔ایک تو مخاطب سے توقع ہو قبول کی اور کم از کم کسی ضرر کا خوف نہ ہو۔اور ایک یہ کہ مخاطب کو اس کا علم نہ ہو اور اکثر یہی ہے کہ جہاں علم نہ ہو وہاں توقع ہوتی ہے قبول کی اور اگر علم ہو تو اکثر ناگواری کا سبب ہوتا ہے[23]۔"

موقع اور محل کی رعایت دعوت کی تاثیر پر اثر انداز ہوتی ہے۔اس لحاظ سے موقع کی مناسبت کے لحاظ سے انداز دعوت میں تبدیلی ناگزیر بن جاتی ہے۔اللہ کی طرف لوگوں کو بلانا بہر حال فرض ہے۔انفرادی ہو یا اجتماعی، تقریر سے ہو یا تحریر سے، علانیہ ہو یا خلوت میں، اس کی کوئی شکل متعین نہیں۔موقع اور محل اس کا تعین کرے گا۔اس لحاظ سے دعوت الی اللہ کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں اور قرآن حکیم نے حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں اسے بیان کیا ہے:

"قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا"

"اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو دن میں بھی دین کی دعوت دی اور رات کو بھی۔"

"ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا"

"پھر میں نے جہراً بھی ان کے سامنے دعوت رکھی۔"

"ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا"

"میں نے اعلانیہ انداز سے آپ کا پیغام ان تک پہنچایا اور چھپ کر تنہائیوں میں بھی انہیں سمجھایا[24]۔"

حضرت یوسف علیہ السلام کو جب مصر میں جیل میں ڈالا گیا تھا۔اور آپ کے ساتھ جیل میں مقید دو احباب نے خواب دیکھے۔اور سیدنا یوسف علیہ السلام سے تعبیر پوچھی۔آپ نے خواب کی تعبیر بتلائی لیکن دعوت کیلئے سازگار حالات دیکھ کر توحید اور دین حق کے دعوت سے اس کا آغاز کیا۔اس لحاظ سے اگر موقع محل اور حالات سازگار ہو اور مخاطب سے دعوت قبول کرنے کی توقع ہو تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض ہو جائے گا۔اس وقت گناہ کو ختم کرنے کی اور معروف کو قائم کرنے کی مقدور بھر کوشش کریں۔خواہ ہاتھ سے ہو یا زبان سے ہو[25]۔یہ عموماً اس وقت ہوتا ہے جب مخاطب کسی ایسے عمل میں مبتلا ہو۔جس کے جائز اور ناجائز ہونے سے لاعلم ہو۔لیکن مخاطب کو اسی فعل کے غیر شرعی ہونے کے علم کے باوجود اس کا ارتکاب کر رہو۔یا فرض وواجب ہونے کے علم کے باوجود اس کی مخالفت کر رہا ہو۔تو عموماً اس وقت مخاطب کو متنبہ کرنا ناگواری کا سبب بنتا ہے۔ایسے موقع پر نہی عن المنکر یا امر بالمعروف فرض نہیں ہو گا۔

مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں:

"امر بالمعروف یا نہی عن المنکر اس وقت فرض ہوتا ہے جب بتانے یا روکنے کا نتیجے میں مخاطب سے اس کے مان لینے کا احتمال ہو اور بتانے کے نتیجے میں بتانے والے کو کوئی تکلیف پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔تاہم جہاں آپ سمجھتے ہیں کہ گناہ میں مبتلا شخص کو نہی عن المنکر کرنے سے وہ گناہ سے رکے گا نہیں بلکہ الٹا شریعت کے حکم کا مذاق اڑائے گا یا شریعت کی توہین کرے گا۔جس کے نتیجے میں اس شخص کے کفر میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو نہی عن المنکر کا فریضہ ساقط ہو جائے گا۔کیونکہ پورے انہماک کے ساتھ گناہ میں مشغول شخص روکنے پر اگر

حکم شریعت کا مذاق یا توہین شریعت کا ارتکاب کر کے کافر بنتا ہے جو کہ گناہ سے بڑا جرم ہے تو اس کا سبب بتانے والا بنے گا۔ لہذا ایسے موقع پر گناہ سے روکنا مناسب نہیں بلکہ اپنے آپ کو اس گناہ کے کام سے الگ کرنا چاہیئے اور بعد میں مناسب موقع پر اس کو بتادینا اور سمجھادینا چاہیئے[26]۔"

دعوت کے اسلوب اور کیفیت کو قاری طیب قاسمیؒ نے "اغماض از معصیت" سے تعبیر کیا ہے کہ بعض اوقات مخاطب کو صریح معصیت میں مبتلا ہونے کے باوجود از روئے مصلحت نصیحت ترک کی جاتی ہے اور معصیت ہونے دیا جاتا ہے کیونکہ داعی کو اندازہ ہوتا ہے کہ مخاطب کی حالت، قبولِ نصیحت کے مقام پر پہنچی ہوئی نہیں ہوتی۔ مسجد نبوی کے صحن میں ایک اعرابی نے آکر پیشاب شروع کر دیا۔ صحابہ کرام نے نہی عن المنکر کے پیش نظر اسے روکنا چاہا۔ آنحضرت ﷺ نے سب کو روک دیا اور اعرابی کے اس ناجائز حرکت کو ہونے دیا تاکہ پیشاب بند ہونے سے بیمار نہ ہو۔ فراغت کے بعد صحن مسجد کو پاک کرادیا اور اعرابی کو نرمی سے سمجھایا کہ مساجد میں ایسی حرکت جائز نہیں۔ لہٰذا آپ کا یہ عمل درست نہیں۔ آئندہ ایسا مت کرنا[27]۔

یہاں اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ موقف کتنا سخت چاہیئے تھا۔ مگر نبی کریم ﷺ نے موقع کو دیکھ کر نرمی والا رویہ اپنایا جس نے مشکل کو بھی سلجھادیا۔ اصلاح بھی کر دی اور معصیت کو بھی دھوڈالا۔ البتہ یہی اعرابی اگر دوبارہ کسی موقع پر یہ عمل کرتا تو مہذبانہ نرمی کی بجائے یقیناً دربار نبوت سے تادیبی سختی کا مستحق ٹھہرتا۔

اس سلسلے میں امام ابن تیمیہ رقمطراز ہیں:

"چونکہ یہ عمل عظیم ترین فرائض اور محبوب ترین اعمال میں سے ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس میں بھلائی کو فساد اور بگاڑ پر ترجیح حاصل رہے۔ یہی رسولوں کی بعثت اور آسمانی کتب کے نزول کا بنیادی مقصد رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتے اور جو احکام انہوں نے دیئے ہیں وہ سب اصلاحی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اصلاح، مصلحین اور ایمان لاکر اعمال صالحہ کرنے والوں کی تعریف کی ہے جب کہ متعدد مقامات پر فساد کرنے والوں کو برا کہا ہے۔ اس لیے اگر کہیں امر اور نہی کے عمل میں فساد کا پہلو اصلاح پر غالب آجائے تو وہ امر اور نہی شمار نہیں ہوگے جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اگرچہ وہاں کوئی واجب ترک کر دیا گیا ہو۔ یا حرام کا ارتکاب ہوا ہو کیونکہ مومن پر لازم ہے کہ اللہ کے بندوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرے[28]۔"

امام ابن تیمیہ نے اس سلسلے میں چند اصول ذکر کیے ہیں:

1. مفاسد اور مصالح یا اچھائیاں اور برائیاں ایک دوسرے سے ٹکرا رہی ہوں۔ یا ایک دوسرے کے مقابل آجائیں۔ ایسی صورت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کسی مصلحت کا حصول یا کسی فساد کا خاتمہ حاصل ہو رہا ہو۔ اس وقت دونوں حالتوں کا موازنہ کر کے راجح کو ترجیح دینا واجب ہوگا۔ لہٰذا ایسی صورت حال میں امر بالمعروف یا نہی عن المنکر سے پہلے کی نسبت زیادہ مصالح کو خطرہ ہو یا پہلے کی نسبت زیادہ مفاسد کا احتمال ہو۔ تو اس موقع پر فائدہ کے بجائے نقصان زیادہ ہونے کی وجہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر شریعت کا مقتضا نہیں سمجھا جائے گا بلکہ ایسا کرنا حرام ہوگا۔ البتہ فائدہ اور نقصان کا تعین شریعت کے معیار کے مطابق کیا جائے گا۔

2. اگر کسی جگہ اچھائی اور برائی دونوں برابر ہو اور ان کو ایک دوسرے سے جدا کرنا ممکن نہ ہو تو اس موقع پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دونوں میں کسی کو لازمی قرار نہیں دیا جائے گا۔ یہ صورت مخصوص حالات میں پیش آ سکتی ہے۔ جہاں اچھائی اور برائی ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہو جائیں۔
3. معاملہ کسی فرد کا ہو یا گروہ کا دونوں صورتوں میں بھلائی کا حکم بھی دیا جائے گا اور برائی سے روکا بھی جائے گا۔ بشرطیکہ امر بالمعروف کرتے ہوئے متوقع طور پر حاصل ہونے والی بھلائی سے زیادہ پہلے سے موجود بڑی بھلائی کے ضائع ہو جانے کا یا اس سے زیادہ برائی پیدا ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ پہلے سے زیادہ برائی پیدا ہو جانے یا اس کے مقابلہ میں زیادہ بھلائی ختم ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ تو اس وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری ہو گا۔
4. اگر اس طرح کا کوئی معاملہ خلط ملط ہو جائے تو مومن تحقیق کرتا ہے۔ یہاں تک کہ حق اس کے لیے واضح ہو جائے۔ کسی ضروری موقع پر امر کو چھوڑ دینا اگر نافرمانی ہے تو کسی ایسی جگہ امر کرنا بھی نافرمانی ہے جہاں ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہو۔ نبی کریم ﷺ نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اور دیگر سرکردہ منافقین کو باقی رہنے دیا کیونکہ ان کے بہت سے معاد نین اور مؤیدین موجود تھے۔ اگر انہیں سزا دے کر ان کی برائی کو ختم کر دیا جاتا تو اس کی برائی کے نتیجے میں حاصل ہونے والی بھلائی سے بڑی بھلائی کا نقصان ہو جاتا کیونکہ اس کی قوم ناراض ہو کر بھڑک اٹھتی اور دوسرے لوگ کو بھی متنفر ہو جاتے کہ محمد ﷺ اپنی ہی ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں[29]۔

بہر حال امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں تین مواقع قابل لحاظ ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:

1. جس جگہ یہ اندیشہ ہو کہ مخاطب میری بات سننے اور ماننے کی بجائے شریعت کے حکم کی توہین کرے گا وہاں امر بالمعروف یا نہی المنکر نہ کرے بلکہ خاموش رہے۔
2. جس جگہ دونوں احتمال برابر ہو کہ شاید بات مان لے۔ یا شاید شریعت کے حکم کی توہین پر اتر آئے ایسے موقع امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا ضروری ہے۔
3. اور جس جگہ یہ اندیشہ ہو کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے نتیجے میں مخاطب اسے تکلیف پہنچائے گا۔ وہاں تبلیغ ودعوت ضروری نہیں البتہ افضل یہ ہے کہ شریعت کی بات کہہ دے اور اس تکلیف کو برداشت کریں[30]۔

تبلیغ ودعوت میں مخاطب کا لحاظ

اسلام چاہتا ہے کہ اس کے پیروکار حق پر کاربند رہتے ہوئے حق کے پرچارک بنیں اور جہاں تک ممکن ہو دعوت حق کو پہنچائیں یہاں تک کہ سلطان جائر کے سامنے بھی کلمۂ حق ادا کر کے افضل جہاد میں حصہ ڈالیں۔ اس سلسلے میں کسی کی شخصیت، منصب، سماجی رتبہ اور معاشی حیثیت اڑے نہ آئے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"لایمنعن احدکم هیبة الناس أن یتکلم بحق اذا راه او شهده او سمعه[31]"

"تم میں سے کسی کو لوگوں کی ہیبت اور رعب اس بات سے نہ روکے کہ جہاں کہیں حق نظر آئے، یا حق کا موقعہ آئیں، یا حق سنائی دیں تو اس کے بارے میں بات کر سکے۔"

تاہم حق کہنے کا طریقہ درست ہونا چاہیئے۔ محبت وخیر خواہی سے کہے تاکہ سننے والے کی دل شکنی کم از کم ہو۔اس انداز سے کہے کہ اس کی سبکی نہ ہو اور لوگوں کے سامنے اس کی بے عزتی نہ ہو۔ مولانا تقی عثمانیؒ نے اپنے والد مفتی شفیع صاحب کی واسطے سے شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کا قول نقل کیا ہے:

"حق بات حق طریقے اور حق نیت سے جب بھی کہی جائیگی وہ کبھی نقصان دہ نہیں ہو گی۔ لہٰذا جب بھی تم یہ دیکھو کہ حق بات کہنے کے نتیجے میں کہیں لڑائی، جھگڑا، نقصان یا فساد ہو گیا۔ تو سمجھ لو کہ ان تین میں باتوں ضرور کہیں کوتاہی ہو گی۔ یا بات حق نہیں ہو گی۔ اسے خوامخواہ حق سمجھ لیا۔ یا بات حق تھی لیکن مقصد اصلاح نہیں بلکہ اپنی بڑائی تھی یا دوسرے کی تذلیل تھی۔ یا بات بھی حق تھی، نیت بھی درست تھی لیکن طریقہ حق نہیں تھا۔اس لئے نقصان یا فساد کا سبب بنا[32]۔"

لہٰذا ہر جگہ دعوت و تبلیغ سے حق ہی مطلوب اور ملحوظ ہونا چاہیئے۔

یوسف القرضاوی کہتے ہیں:

"داعی اپنے فریضہ مذہبی سے کامیابی کے ساتھ کبھی عہدہ برأ نہیں ہو سکتا۔ جب تک اسے خوب پتہ نہ ہو کہ جن لوگوں کو اپنی دعوت کا مخاطب بنا رہا ہے۔ وہ کسی نقطہ نظر کے حامل ہیں اور ان کے رجحانات ومیلانات کیا ہے۔ اس واقفیت کے بعد ہی وہ ان کے لیے دعوت کے اسلوب اور دعوتی مواد میں ترتیب اور تقدیم وتاخیر کا فیصلہ کر سکے گا[33]۔"

آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن بھیجتے ہوئے جن امور کی نصیحت کی تھی اس میں مخاطب کی رعایت ملحوظ رکھنے کے اس اصول کی بہترین عکاسی نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"انک تاتی قوماً من اهل الکتاب فلیکن اول ما تدعوهم الیه شهادة ان لاله الا الله فانهم اطاعوا لذالک فاعلمهم أن الله افترض علیهم خمس صلوات فی کل یوم ولیلة فانهم أطاعوا لذالک فأعلمهم ان الله افترض علیهم صدقة توخذ من أغنیاهم وترد علی فقراءهم[34]"

"اہل کتاب کے ایک ایسی قوم کے پاس تمہیں جانا ہے، سب سے پہلے تم انہیں جس چیز کی طرف دعوت دو گے وہ اس بات کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اب اگر وہ اس بات کو مان لیتے ہیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ اسے بھی مان جائیں تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائیگی اور ان کے فقراء پر تقسیم کی جائے۔"

اس حدیث کے ضمن میں یوسف قرضاوی کہتے ہیں کہ اگر حضرت معاذؓ کا واسطہ مجوسیوں، بے دینوں یا اس طرح کے کسی دوسرے گروہ سے ہوتا تو حضور اکرم ﷺ انہیں کسی اور طریقے سے مخاطب کرنے کے لیے آپ کو تاکید کرنے اور دعوت کی ترتیب ان کے تئیں اس کے بجائے بدلی ہوئی ہوتی[35]۔ کیونکہ دعوت کی خوبی یہ ہے کہ وہ مدعو اور مخاطب کے مناسب حال ہو۔

اقسام مخاطبین کی رعایت

قرآن حکیم میں دعوت کی تین قسمیں یا طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ[36] "

"دعوت دو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت کے ساتھ اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور مباحثہ کرو ان کے ساتھ نہایت اچھے طریقہ کے ساتھ۔ بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے جو بھٹک گیا اس کے راستے سے اور خوب جانتا ہے ہدایت یافتہ لوگوں۔"

آیت میں دعوت کے تین طریقے: حکمت، عمدہ نصیحت اور مجادلہ بطریق احسن ذکر کئے گئے ہیں۔ ظاہر ہے دعوت کے یہ انواع سہ گانہ مخاطبین کے احوال اور معیارات کے پیش نظر وضع کی گئیں ہیں۔ دعوت کی اقسام سے مدعوبین کی اقسام خود بخود سمجھی جاسکتی ہیں کیونکہ یہ طبعی اصول ہے کہ سامان دعوت "مدعو" کے مناسب مذاق ہی تیار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن حکیم نے جب دعوتی دستر خوان پر حصر کے ساتھ جب دعوت کی تین قسمیں سمجھائیں۔ تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ "مدعوین" یعنی دعوت کے مخاطبین بھی تین ہی قسم کے ہو سکتے ہیں۔ مخاطبین کی یہ تین قسمیں مندرجہ ذیل ہیں۔

1. **اذکیاء:** (حجت پسند) ان سے مراد وہ طبقہ ہے جو کامل استعداد اور روشن قلوب کے مالک ہیں۔ حق کی سچی تڑپ اور علم کی حقیقی طلب ان میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ جوہر معاملہ میں اصل حقیقت تک پہنچنے کے لئے ایسے یقینی دلائل اور مستند حجتوں کے طلب گار ہوتے ہیں۔ جو قلوب کو نور یقین کے ساتھ منور کر دے۔ ایسے لوگوں سے خطاب کے صورت میں نہایت پختہ اور واضح مضامین مدلل اور حکیمانہ انداز سے پیش کرنے کے علاوہ کوئی دوسری صورت نہیں ہو سکتی تاکہ دنیا کے خیالی فلسفے ان کے سامنے ماند پڑ جائیں اور کسی قسم کی علمی موشگافیاں اور نکتہ آفرینیاں دینِ حق کے بیّن حقائق پر ذرہ بھر اثر انداز نہ ہو سکیں اسی انداز کا نام قرآن حکیم کی زبان میں حکمت ہے۔
2. **اغبیاء (منازعت پسند):** پہلی قسم کے بالمقابل بلکہ ان کی ضد وہ لوگ ہیں جو ذہنی طور پر الجھے اور کج فہم ہوتے ہیں۔ ان کی طبعیت ومزاج میں ذوق تحقیق اور سلامتی فکر کے بجائے کج بحثی، کٹ حجتی، بحث برائے بحث، اور نزاع ومناظرہ کے جراثیم بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک ہر چھوٹے بڑے مسئلہ میں الجھنا، کیڑے نکالنا، خاموش رہنے کے بجائے کج بحثی اختیار کرنا کمال سمجھا جاتا ہے۔ ان کی بد مذاقی نہ کسی فطری دلیل کو برداشت کرتی ہے اور نہ انہیں عقلی استدلال مطمئن کر سکتا ہے۔ ان کے حق میں محققانہ کلام سود مند نہیں ہو سکتا بلکہ سمّ قاتل کا حکم رکھتا ہے۔ انہیں صرف ایسا معارضہ ہی خاموش کر سکتا ہے جو ان کے مسلمان کی رو سے درست ہو۔ مسلمات قرآن حکیم نے اس رنگ احتجاج اور طریقہ بحث کو مجادلہ قرار دیا ہے اس لیے کہ ان کج بحثوں کے حق میں کلمہ حق مفید نہیں ہو سکتا۔ تاہم قرآن حکیم نے اس کے لیے ضرور قرار دیا کہ مجادلہ میں ممکن حد تک حُسن وتہذیب، شائستگی اور بردباری کا مظاہرہ کیا جائے۔ مدمقابل کے غلط نقطہ نظر اور باطل موقف کو رد

کرنے میں بہترین اسلوب سے کام لیا جائے۔ خواہ مخواہ دل آزار اور جگر خراش باتیں کر کے ہٹ دھرمی کی فضا پیدا نہ کی جائے کہ مسئلہ سلجھنے کے بجائے مزید الجھے۔ خشونت، بد خلقی، الزام تراشی اور کٹ حجتی سے مسائل حل نہیں ہوتے۔ بلکہ مزید پیچیدہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ مجادلت پسند اغبیاء قسم کے مخاطبین کے ساتھ حکمت کی بجائے مجادلہ سے کام لیا جائے۔ لیکن اس میں حسن در حسن پیدا کرنے کی حتی الوسع کوشش کریں۔

3. **صلحاء(سلامت پسند)**: مخاطبین اور مدعوئین کے ان دو طبقوں کے درمیان ایک ایسا طبقہ بھی ہے جو نہ تو کمال فہم اور سلامتی ذوق میں حکماء تک پہنچا ہے اور نہ سوء فہم اور بد ذوقی میں اغبیاء کی طرح ہے۔ اس طبقہ کیلئے نہ حکماء کی طرح حکمت اور دلائل قطعیہ درکار ہیں اور نہ اغبیاء کی طرح مجادلہ اور الزام حجت کار آمد ہے۔ یہ سادہ فطرت اور خلقی سلامت روی کی صفت کے ساتھ متصف صلحاء کا طبقہ ہیں۔ ان کو مخاطب بنانے میں دلپذیر نصیحتیں، اقناعی دلائل، عام فہم لطائف، عبرت انگیز حکایتیں، معتدل انداز نصیحت اور ان کی فطرت میں موجود پاکیزہ جذبات اور لطیف احساسات کو اپیل کرنے والا اسلوب اختیار کیا جائے تاکہ ان پاکیزہ جذبات واحساسات کے زیر اثر ان کی عقل خود بخود دعوت ماننے کے لیے آمادہ ہو۔ قرآن مجید نے اس طبقہ کے لیے موعظہ حسنہ کے طرز خطاب کو اختیار کرنے کا امر فرمایا ہے۔

اس لحاظ سے دعوت کی اقسام سہ گانہ حکمت، مجادلت اور موعظت کے مخاطبین بھی تین طبقات۔ عقلاء، اغبیاء اور صلحاء ٹھہرے حکمت عقلا کی شایان شان، مجادلت اغبیاء کے مناسب حال اور موعظت صلحاء کے طبائع کے عین مطابق ہیں[37]۔

مخاطب اور مقتضیٰ حال کی رعایت

مخاطب کے ذہنی کیفیت، علمی مرتبہ اور عقلی سطح کے مطابق حکمت سے کام لیا جائے یا موعظہ حسنہ سے۔ یا مجادلہ کے میدان کو منتخب کیا جائے۔ مخاطب کے مقتضی حال کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ وقت اور زمانہ کی زبان، لوگوں میں متعارف محاورات اور مانوس تعبیرات سے تاثیر کا کام لیا جائے۔ غریب لغات، مانوس تعبیرات اور بے محاورہ کلام سے اجتناب کیا جائے۔ ورنہ دعوت تاثیر اور دلچسپی سے خالی ہو کر بے اثر ہو جائے گی۔

نبی کریم ﷺ نے پیچیدہ، گنجلک اور مغالطہ انگیز کلام سے صریح ممانعت فرمائی ہے:

"نهى رسول الله صلي الله عليه وسلم عن الأغلوطات[38]"

"مخاطب کی علمی سطح اور عقلی پرواز کے حدود کو پیش نظر رکھ مضامین دعوت کا انتخاب کریں۔ ایسی باتیں جن کا سمجھنا مخاطب کے لیے مشکل ہو، سے اجتناب کیا جائے۔"

اس کی فہم ودانش کا اندازہ لگائیں اور اس کے مطابق اسے دینی دعوت پہنچائیں۔ سیدنا عمر فاروقؓ کا ارشاد ہے:

"كلموا الناس بما يفهمون أتريدون أيكذّب الله تعالى ورسوله[39]"

"لوگوں سے اس انداز میں بات کرو جسے وہ سمجھتے ہو، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کو جھٹلایا جائے۔ چنانچہ مخاطب کے علمی پس منظر اور ذہنی کیفیت کے مطابق کلام کیا جائے۔"

شاید یہی وجہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کی فصاحت بیانی اور شستہ کلامی کی وجہ سے اپنے ساتھ رکھنے کے درخواست کی تھی کہ جب میری دعوت و تبلیغ کی تائید میں وہ روان اور صاف تقریر کریں گے تو آل فرعون کے قلوب پر اچھا اثر پڑے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری رکتی زبان سے وہ لوگ اچھا اثر نہ لے کر میری تکذیب نہ کرنے لگ جائیں۔ قرآن کریم نے یہ نقشہ یوں کھینچا:

" وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ[40]"

"پروردگار! میرے بھائی ہارون علیہ السلام کی زبان مجھ سے زیادہ چلتی ہے ان کو میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ (رسول بنا کر) بھیج دیں تاکہ وہ میری تصدیق کیا کریں ورنہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ (فرعون اور آل فرعون) میرے تکذیب نہ کریں۔"

قاری محمد طیب قاسمیؒ فرماتے ہیں:

"اس واقعہ سے واضح ہے کہ کلام مخاطبون کی ذہنیت کے مناسب ہو کر ہی اثر انداز ہوتا ہے گویا شہروں میں ادبی زبان، دیہات میں معمولی اور سادہ زبان، علمی طبقوں میں اصطلاحی زبان اور اہل فنون کے طبقہ میں فلسفیانہ زبان ہی مفید اور مؤثر ہو سکتی ہے[41]۔"

اوقات مخاطب کی رعایت

دعوت و تبلیغ میں مخاطب کی رعایت کا ایک تقاضا یہ ہے کہ ان کے اوقات کو ملحوظ رکھا جائے اور جس وقت مخاطب کو سہولت ہو اسی وقت ان کو فریضہ دعوت کے تقاضوں کی طرف امادہ کرنے کی سعی کی جائے۔ مخاطب کو اکتاہٹ اور آثار دعوت کو بے فائدہ جانے سے بچانے کے لیے ہر وقت اور ہر روز کی بجائے وقفے اور ناغے کر کے تبلیغ کی جائے تاکہ مخاطبین کے شوق (ذوق بر قرار رہے)۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہفتہ میں ایک بار بروز جمعرات وعظ و نصیحت کرتے تھے۔ ایک شخص نے آپ کی نصیحت سے بے حد متاثر ہونے کے بعد عرض کیا۔ کہ کاش آپ ہر روز ہمیں تذکیر کرتے۔ آپؓ نے ارشاد فرمایا:

"واما انه يمنعى من ذالک أنى اكره أن املكم وانى اتخول عليكم بالموعظة كما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتخولنا بها مخافة السامة علينا[42]"

"ہر روز وعظ کرنے سے مجھے یہ امر مانع ہے کہ میں تمہیں اکتاہٹ میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا۔ وعظ و تذکیر میں اس طرح وقفے کرتا ہوں جس طرح آنحضرت ﷺ ہماری اکتاہٹ کے اندیشہ سے وقفے کیا کرتے تھے۔"

احوال مخاطب کی رعایت

مخاطب کے ذہنی سطح اور عمر کا لحاظ رکھنا دعوت کو پر تاثیر اور قابل قبول بناتا ہے۔ بچے، جوان، بوڑھے اور مرد وزن کو ایک لاٹھی سے ہانکنا تاثیر دعوت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ مخاطبین اور مدعوئین کی زندگی میں انبساط اور انقباض، قبولیت اور عدم قبولیت کے مختلف احوال کی رعایت، داعی کا اہم ترین فریضہ ہے۔ اہل دعوت کو چاہیئے کہ ان احوال کو جانچ کر ان کی آمادگی اور صلاحیت قبول کو پرکھے اور آمادگی اور قبولیت کی صورت میں احکام کی طرف راغب

کریں۔ یہاں تک کہ ان کی حالت اگر ترکِ تبلیغ کا تقاضا کرے تو اس وقت ترکِ تبلیغ اور تاخیر دعوت کو مصلحت شرعی سمجھے۔ اور ایسی صورتحال میں ترک تبلیغ بھی تبلیغ کے حکم میں ہوگی۔ بصورت دیگر آثار قبول ظاہر نہ ہوں گے یا داعی کی طرف سوءعقیدت پیدا ہوگی جو آئندہ توقعاتِ قبولیت کا راستہ مسدود کردے گی[43]۔

مخاطب کے جذبات ونفسیات کی رعایت

مخاطبین کے جذبات، احساسات اور نفسیات سے واقفیت ازبس ضروری ہے۔ مخالفین کے اعتقادات کو نہ چھیڑیں۔ ان کی نظریات کو تنقید کا نشانہ نہ بنائے۔ توہین آمیز پیرائے اور نفرت انگیز مضامین سے دعوت پاک ہونی چاہیئے۔ کسی فرد یا جماعت کو نام لے کر برا بھلا نہ کہا جائے اور نہ اختلافات کو ہوا دی جائے۔ دعوت میں تعریض، تلمیح اور طعن وتشنیع کا رنگ نہ ہو، ورنہ ان قبائح پر مشتمل دعوت، جانبداری اور بدخلقی پر محمول کی جائے گی جس کا کبھی اثر مرتب نہیں ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے سید معاذ بن جبل اور سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو یمن بھیجتے ہوئے بطور نصیحت فرمایا:

"بشراً ولا تنفرا، یسروا ولا تعسرا وتطاوعا ولا تختلفا[44]"

بشارت سنانا، نفرت نہ پھیلانا، آسانی پیدا کرنا، سختی مت کرنا، باہم اتفاق سے رہنا، اختلاف نہ کرنا۔"

وضع دار مخاطب کی رعایت

بطور خاص اگر مخاطبین غلطی کا ارتکاب کریں اور وہ وضع دار بھی ہو تو ان باتوں کی رعایت انتہائی ضروری ہے۔ ورنہ عموماً الٹا اثر پڑتا ہے۔ کچھ لوگ نچلی سطح کے ہوتے ہیں۔ ان کی کوئی اقدار نہیں ہوتی جن کا وہ تحفظ کریں۔ دوسرا طبقہ وضع دار لوگوں کا ہوتا ہے جو اپنی اقدار کی ہر قیمت پر تحفظ کرتے ہیں[45]۔

علامہ ضیاءالدین ابن اثیر کہتے ہیں:

"اگر کوئی وضع دار شخص غلطی کر بیٹھے تو اس سے درگزر کیا جائے اور اس کی عزت نہ اچھالی جائے. ہوسکتا ہے کہ درگزر کرنے کی وجہ سے اس کی ہمیشہ کے لیے اصلاح ہو جائے۔ چنانچہ اس بات پر بطور شاہد ایک واقعہ ذکر کیا ہے۔ ابو محجن عمر بن حبیب ثقفیؓ کو جنگ قادسیہ میں شراب پینے کی وجہ سے مسلمان فوج کے سربراہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے بیڑیاں ڈلوادیں۔ حضرت سعدؓ خود زخمی تھے۔ اس لئے فوج کی کمان حضرت خالد بن عرفطہؓ کے سپرد کر کے جنگ کی صورتحال ملاحظہ کرنے کی غرض سے مقام بلند پر خیمہ زن ہوئے۔ انہوں نے ایک مجاہد کو دشمن کی صفوں کو چیرتے اور غیر معمولی جرأت سے جہاد کرتے دیکھا۔ تو کہنے لگے: میں حیران ہو یہ گرد غبار تو میرے گھوڑے کا معلوم ہوتا ہے اور حملے کا انداز ابو محجنؓ کا سا ہے۔ حالانکہ وہ تو قید میں ہے۔ فتح ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ابو محجنؓ ہی تھے جو ان کی سوتیلی بچی سے وعدہ کر کے قید نکل آئے تھے کہ اگر جنگ میں قتل ہو گیا تو تم لوگوں کی جان چھوٹے گی اور اگر بچ گیا تو خود آکر یہ بیڑیاں اپنے پاؤں میں ڈالوں گا۔ چنانچہ انہوں نے بالکل وعدہ کے مطابق ویسا ہی کیا۔ جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو قصہ معلوم ہوا تو انہوں ابو محجنؓ کو آزاد کر کے کہا کہ اللہ کی قسم آج کے بعد کسی ایسے شخص کو جسمانی سزا نہیں دوں گا جس

سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے عظیم خدمت لی ہو۔ابو محجن ؓنے کہا کہ مجھے بھی شراب چھوڑنے میں یہ رکاوٹ تھی کہ کوڑوں کاڈراس کاسبب نہ بنے[46]۔"

نرم کلامی کی رعایت

مخاطبین اور مدعوئین کی رعایت اور لحاظ کی ان تمام صورتوں پر ایک چیز سونے کا سہاگہ ہوتی ہے اور وہ ہے نرم کلامی، مخاطب کوئی بھی ہو قول کی نرمی دعوت و تبلیغ کا زیور ہے جس سے آراستہ تبلیغ محبوب اور مقبول عند الناس بن جاتی ہے اور قلوب کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔آواز کی کرختگی، اخلاق کی غلظت اور زبان کی تیزی دلوں کو چھیل ڈالتی ہے اور مخاطبین کو داعی اور اس کی دعوت سے متنفر کر دیتی ہے۔

سیدنا موسیٰ جیسے جلالی پیغمبر کو فرعون جیسے خدائی کے دعویدار اور متمرد باغی کے پاس بھیج کر حکم دیا:

"اذْهَبَا إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى [47]"

"تم دونوں (موسیٰ وہارونؑ) فرعون کے پاس جاؤاس نے سرکشی اختیار کی اس سے نرم گفتاری سے کام لو شاید وہ نصیحت مان لیں یاڈر جائیں۔"

اس روز روشن کی طرح عیان ہے کہ آج کے مدعوین سرکشی میں فرعون سے بڑھے نہیں اور مصلحین مدعوئین خدا ترسی میں موسیٰ وہارون علیہم السلام سے بڑھ نہیں سکتے۔اس لئے قیامت تک یہ پیغمبرانہ اسلوب دعوت متعین ہوا کہ دعوت و تبلیغ میں سختی سے اجتناب کیا جائے اور نرمی اختیار کی جائے۔

یہی وجہ ہے کہ نرمی کی وجہ سے سید الداعین ﷺ کو خصوصی خطاب ہوا:

"فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ[48]"

"آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت سے ان لوگوں کے لئے نرم ہو گئے ہیں۔اگر آپ تند زبان اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔"

خلاصہ بحث

داعی کے مخاطبین مختلف پس منظر رکھتے ہیں اور مختلف طبائع کے مالک ہوتے ہیں۔ مختلف احوال ، احساسات، جذبات، نظریاتی وابستگی، زندگی کے مختلف مراحل میں، موقع محل اور مخاطب کے احوال کے مطابق "امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا" اور دامن حق کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ یہ توازن دعوتی عمل کی جان اور اصل حکمت ہے۔اور یہی طرز دعوت شریعت کا مطلوب اور اہل ایمان کا فریضہ ایمان ہے کہ حق بات کو حق نیت سے اور حق طریقہ سے اپنے دائرہ اثر میں پھیلائیں۔

حواشی وحوالہ جات

1 سورۃ فصلت ۴۱ :۳۳

2 رحمانی، خالد سیف اللہ، قاموس الفقہ ۲: ۲۳۱، زمزم پبلشرز، کراچی، اگست ۲۰۰۷ء

3ابن اثیر الجزری،النہایۃ فی غریب الحدیث۵: ۱۱۵،داراحیاءالتراث العربی،بیروت،۱۴۲۳ھ

4 طبری، أبو جعفر محمد بن جریر، تفسیر طبری،۴ :۱۱۵، مؤسسۃالرسالہ،بیروت،۱۴۲۴ھ

5سورۃآلعمران۳: ۱۱۰

6مولانا قاری محمد طیب قاسمی، اصول دعوت اسلام: ۵،ادارہ اسلامیات(مطبع وسن اشاعت نامعلوم)

7محمد تقی عثمانی، تبلیغ ودعوت کے اصول: ۲۸،(مطبوعہ درضمن،اصلاحی خطبات،ج۸)میمن اسلامک پبلشرز کراچی، طبع جنوری،۱۹۹۸ء

8 القشیری، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم،کتاب الایمان،باب کون النہی عن المنکر من الایمان،حدیث(۷۸)داراحیاءالتراث العربی ،بیروت،(س۔ن)

9قاموس الفقہ ۲ :۲۲۲

10 آلوسی، محمود،روح المعانی۴ :۲۱،مطبع وسن اشاعت نامعلوم

11 احیاءالعلوم الدین۲ :۲۲۹

12 تبلیغ ودعوت کے اصول: ۲۸

13نفس مصدر:۳۰

14 تبلیغ ودعوت کے اصول: ۳۰- ۳۱

15سورۃآلعمران۳ :۱۰۴

16ترمذی،مولانا مفتی ،عبدالشکور، دعوت وتبلیغ کی شرعی حیثیت: ۲۸،ادارہ اسلامیات کراچی،ستمبر۱۹۸۵ء

17نفس مصدر:۲۹- ۳۰

18دعوت وتبلیغ کی شرعی حیثیت: ۲۴

19البخاری، أبو عبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری،حدیث(۹۹۳،۲۵۵۴،۲۴۰۹)دارالطوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ

20 صحیح مسلم،کتاب الایمان،باب کون النہی عن المنکر من الایمان،حدیث(۷۸)

21بت پرستی کے سلسلے میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے انداز دعوت کی سختی اور نجوم پرستی کے سلسلے میں نرم حکیمانہ انداز دعوت کے لئے سورۃالانعام آیت ۷۴تا۷۸ ملاحظہ کیجئے۔

22ابن تیمیہ،الحسبۃ فی الاسلام،اردو ترجمہ بنام اسلام کا نظام حسبہ:۱۰۳،مطبع وسن اشاعت نامعلوم

23تھانوی،اشرف علی، حکیم الامت،افاضات الیومیہ جلد ۴:ملفوظ نمبر۱۸۰،مطبع وسن اشاعت نامعلوم

24سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال دعوت وتبلیغ کرتے رہے۔سورۃنوح پارہ۲۹ میں آپ علیہ السلام کے دعوت کے مختلف انداز قرآن حکیم نے ذکر کیے ہیں۔

25دعوت تبلیغ کی شرعی حیثیت:۲۶

26اصول دعوت اسلام:۳۲-۳۳

27 صحیح البخاری،کتاب الوضو باب صب الماء علی البول فی المسجد، صحیح مسلم،کتاب الطہارۃ،باب وجوب غسل البول

28 اسلام کا نظام حسبہ: ۱۰۳

29نفس مصدر:۱۰۸ - ۱۱۰

30 تبلیغ ودعوت کے اصول: ۳۴

31امام احمد بن حنبل، مسند احمد، مسند ابی سعید خدری، ۳ :۳۷۳- ۴۵۳، موسسہ الرسالہ، ۱۴۲۲ھ

32 تبلیغ دعوت کے اصول: ۳۵

33القرضاوی، محمد یوسف، ثقافۃ الداعیۃ(اردو ترجمہ بنام، دعوت دین اور اس کے علمی تقاضے):۳۱۹، سلطان احمد اصلاحی، ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور

34 خطیب بغدادی، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الزکوٰۃ، مطبع وسن اشاعت نامعلوم

35 ثقافۃ الداعیۃ، اردو ترجمہ بنام دعوت دین اور اس کے علمی تقاضے: ۳۲۰

36 سورۃ النحل۱۶: ۱۲۵

37 اصول دعوت اسلام: ۶۵-۶۸

38الطبرانی، المعجم الکبیر، حدیث(۹۱۳)، مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ(س۔ن)

39 تفسیر روح المعانی، سورۃ ابراہیم ۱۴ :۳۳

40سورۃ القصص۲۸: ۳۳

41 اصول دعوت اسلام: ۵۱

42 صحیح البخاری، حدیث(۷۰)

43 اصول دعوت اسلام: ۵۷

44 صحیح البخاری، حدیث(۳۰۳۸)

45 المثل السائر فی ادب الکاتب والشاعر ۱۱: ۶۸

46سنن سعید بن منصور، کتاب کراہیۃ اقامۃ الحدود فی أرض العدو ۲ :۱۹۷، مطبع وسن اشاعت نامعلوم

47سورۃ طٰہٰ۱۹: ۴۴

48 آل عمران۳: ۱۵۸